قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

گیارہواں وعظ مسمیٰ بہ

التعمیم لتعلیم القرآن الکریم

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی حکیم الامت

شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم

حسب فرمایش حاجی محمد یوسف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بہ سعی محمد عثمان مدیر رسالہ الہادی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التعمیم لتعلیم القرآن الکریم

اَیْنَ	کہاں ہوا	پانی پت مدرسہ محمدیہ اشرفیہ
مَتٰی	کب ہوا	۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ پنجشنبہ بعد عصر
کَمْ	کتنا ہوا	آدھ گھنٹہ
کَیْفَ	کسطرح ہوا	کھڑے ہوکر
لِمَ	کیوں ہوا	بتقریب جلسہ دستاربندی حفاظ مدرسہ مذکورہ
مَاذَا	کیا مضمون تھا	قرآن کی فضیلت اور اوسکے حفظ کی ضرورت اور مدارس قرآن کی اعانت پر توجہ
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	عموماً سب مسلمانوں کو اور خصوصاً حفاظ قرآن کو
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی غفراللہ لہ ولوالدیہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریباً ۱۰۰
الاشتات	متفرقات	تعب سفر وخصوصیت مقام کی وجہ سے بیان کا قصد نہ تھا عین وقت پر مختصر بیان فرمادیا

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ ہرچند کہ پہلے بیان کے متعلق عزم توکیا معنے بلکہ عزم عدم تھا یعنی بیان کا توکیا قصد ہوتا یہ بات طے ہوچکی تھی کہ بیان نہیں کرونگا کیونکہ اول توسفر کا تعب تھا دوسرے طبیعت میں بشاشت بھی نہ تھی اگر طبیعت بشاش ہوتو تعب سفر مجھکو بیان سے مانع نہیں ہوتا مگر یہاں پہونچکر کچھ طبیعت میں بشاشت وانبساط بھی نہ ہوا اسلئے یہ عزم کرلیا تھا کہ بیان نہ کرونگا چنانچہ اسکی اطلاع بھی کردی تھی لیکن جب اس جلسہ کی گفتگو ہوئی

تو کچھ کچھ خیال پیدا ہو گیا تھا اور اس جلسہ کو دیکھکر گو مجمع قلیل ہی ہے ارادہ ہو گیا کیونکہ مخلصین گو قلیل ہی ہوں وہ کثیر کے حکم میں ہیں چونکہ اسوقت مدرسہ کے طلبہ کی دستار بندی کا جلسہ ہی اسلئے مناسب یہ ہے کہ تعلیم و تعلم قرآن کے متعلق کچھ بیان کیا جائے جو حدیث میں نے پڑھی ہے اسمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلم قرآن کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے حضور کا ارشاد ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ یعنے تم میں بہتر اور افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی مشغولی بہت بڑی طاعت ہے اور جو لوگ اُسکی تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم لوگ اس حدیث پر کہاں تک عمل کرتے ہیں آیا ہم کو قرآن کی تعلیم و تعلم پر ایسی ہی توجہ ہے جسکو یہ حدیث مقتضی ہے یا ایسی توجہ نہیں ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ شکایت کرنا پڑتی ہے کہ ہم لوگونکو قرآن کیطرف ایسی توجہ نہیں ہے یعنی ہمارا برتاؤ اہل قرآن کیساتھ ویسا نہیں ہے جیسا اس حدیث کے بعد ہونا چاہیئے یہ اعتقاد تو مسلمانوں کا ضرور ہو گا کہ اہل قرآن سب سے افضل ہیں کیونکہ حدیث میں انکو افضل فرمایا گیا ہے اور اگر کسی کا یہ اعتقاد بھی نہ ہو تو اُسکے دل میں اسلام ہی نہیں مگر عملاً ہم انکو اپنے سے افضل تو کیا برابر بھی نہیں سمجھتے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ قرآن پڑھنے پڑھانیوالوں کی لوگ کچھ بھی عظمت نہیں کرتے لوگ انکو اسلئے حقیر سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کے کسی کام کے نہیں رہتے حالانکہ یہی وجہ انکی فضیلت کو مقتضی ہے بھلا اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی کہ یہ لوگ محض خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا جو خدا کے نزدیک کچھ قدر کی چیز نہیں ہے یہ اسکے کام کے نہیں تو جس بات کو تم سبب تحقیر سمجھتے ہو وہی انکی عزت کا سبب ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

تا بدانی ہر کرا ایزد بخواند   از ہمہ کار جہان بیکار ماند

یعنی جسکو خدا تعالےٰ اپنے کام میں لگا لیتے ہیں وہ دوسرے کام کا نہیں رہا کرتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن پڑھنے پڑھانیوالے دیوانے ہیں کہ سارے کام چھوڑ کر ہر وقت قرآن ہی کی تلاوت میں رہتے ہیں مگر انکے واسطے یہی دیوانگی سبب فخر ہے۔ خبر بھی ہے یہ کس کے دیوانے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم   مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

یہ خدا کے دیوانے ہیں اور حقیقت میں یہی لوگ عاقل ہیں کہ آخرت کی ترقی میں مشغول ہیں

اور جو لوگ انکو پاگل کہتے ہین حقیقت مین وہ خود پاگل ہین کہ آخرت کی نعمتونکو چھوڑ کرہمہ تن دُنیا پر متوجہ ہین ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   مرعسس را دید و در خانہ نہ شد

عارف شیرازی فرماتے ہین کہ ؎

مبین حقیر گدایان دلق رنگین قوم   شہاں بے کمر و خسرواں بے کلمہ اند

اور اہل قرآن کی عظمت نہ کرنے کا راز یہ ہے کہ لوگ جنکو اہل اللہ سمجھتے ہیں اُنہی کی قدر کرتے ہین چنانچہ درویشونکی بہت قدر ہے گو وہ لنگوٹہ ہی باندہے ہوئے ہوں کیونکہ انکو اللہ والا سمجھا جاتا ہے اور ان قرآن والونکو اللہ والا ہی نہیں سمجھتے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ قرآن کا تعلق خدا تعالےٰ سے ایسا ہی کہ اتنا تعلق کسی چیز کو خدا تعالیٰ سے نہیں ہر چیز کا تعلق خدا سے بواسطہ ہے اور قرآن کا تعلق بلا واسطہ ہی کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام کو متکلم سے بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے گو الفاظ قرآنیہ کلام لفظی کی قسم سے ہیں مگر کلام نفسی کے ساتھ اسکو بہت قرب اور تعلق ہی اور ایسا تعلق ہی کہ اسکی تفصیل اسوقت نہیں ہو سکتی۔ اور اس تعلق کی وجہ اس کلام لفظی کا بھی قریب قریب وُہی حکم ہی ادب اور تعظیم مین جو کلام نفسی کا ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کلام لفظی کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کسی چیز کا اتنا ادب نہ کرتے تھے۔ بیت اللہ کو بلا طہارت کے ہاتھ لگانا جائز ہے گو ادب کے خلاف ہو مگر قرآن کی یہ شان ہے لا یمسہ الا المطھرون کہ اسکو بدون وضو کے چھونا جائز نہیں اس فرق ہی سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ بیت اللہ کا درجہ کلام اللہ کے بعد ہے اور عقل کا بھی یہی مقتضا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں پس بیت اللہ کو خدا کا گھر محض تشریفاً کہدیا جاتا ہے جیسا کہ جس چیز کا مالک کوئی آدمی نہ ہو اور وہ خدا کے نام پر وقف ہو اُسکو بھی خدا تعالےٰ کی طرف تشریفاً منسوب کر دیتے ہیں چنانچہ وقف کی زمین کو بھی خدا کی زمین اسی بنا پر کہدیتے ہین پس بیت اللہ کی نسبت خدا کی طرف محض تشریفی ہی اور کلام اللہ کی نسبت محض تشریفی نہیں ہے بلکہ تعلق خاص کی بناء پر ہے کہ اس کلام کو کلام نفسی سے تعلق ہی اور کلام نفسی خدا تعالیٰ کی صفت ہی اور صفت کو موصوف سے جو کچھ علاقہ ہوتا ہے ظاہر ہی مگر اسپر بھی ہماری حالت یہ ہی کہ اگر کوئی شخص حج کر کی

آوے اُسکی تو تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور حاجی بننے کو بڑی بات سمجھتے ہین اور جو لوگ قرآن کی تلاوت اور اسکی تعلیم وغیرہ مین مشغول ہیں اونکی عظمت حاجی کے برابر بھی نہیں کرتے زیادہ تو کیا کرتے اسیطرح جو لڑکا حفظ قرآن سے فارغ ہو اُسکو حج کرنیوالے کے برابر نہیں سمجھتے۔

حالانکہ قرآن کا درجہ بیت اللہ سے یقیناً بڑھا ہوا ہی۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن سے بجز جنابت کے کوئی امر مانع نہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو تلاوت قرآن کا بہت اہتمام تھا۔ حالانکہ آپ اشرف المخلوقات ہیں پس جس چیز کا آپکو اتنا اہتمام ہو اُسکی عظمت کا کیا ٹھکانا ہی گو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ افضل حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن۔ (یعنی کلام لفظی) اسوقت میں اس مسئلہ کی تفصیل نہیں کرنا چاہتا مگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام لفظی کا بھی وہی ادب کرتے تھے جو کلام نفسی کا ادب ہے یعنی اسکے ساتھ بھی آپکا وہی برتاؤ تھا جو کلام نفسی کے ساتھ ہوتا۔ خیر قرآن مجید کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تفاضل میں خواہ کچھ کلام ہو مگر اسمین شک نہیں کہ بیت اللہ سے ضرور افضل ہی اور اس سے خدا کی رحمت کا اندازہ ہوتا ہی کہ خدا تعالے نے قرآن عطا فرما کر ہم پر کتنا بڑا احسان وفضل فرمایا ہی کہ بیت اللہ جسکے اشتیاق مین ہم ہمیشہ رہتے ہیں اس سے بھی افضل چیز ہمارے گھر میں ہر وقت رہتی ہے مگر افسوس ہی کہ ہم کو اس نعمت کی قدر نہیں لوگونکے ذہن مین قرآن کی عظمت کا درجہ ابھی تک نہیں آیا ورنہ وہ قرآن کو گھر میں دیکھکر ایسے خوش ہوا کرتے جیسے کعبہ کسی کے گھر میں آگیا (بلکہ اس سے بھی زیادہ) اب ہماری یہ حالت ہی کہ گھر مین قرآن رکھا ہوا ہے کسی کے دل پر جون بھی نہیں رینگتی۔ کہ یہان کیا چیز رکھی ہوئی ہی کبھی اسکی طرف پیر کر دیتے ہین کبھی اوسکے اُوپر کوئی چیز رکھدیتے ہیں صاحبو! خدا سے ڈرو۔ بتلاؤ اگر تم بیت اللہ کو دیکھ لو تو کیا اسکی طرف پیر کرسکتے ہو ہرگز ایسی ہمت نہوگی پھر کیا قرآن کو کعبہ سے بھی کم سمجھ لیا ہے بعضے لوگونکو مہینے گذر جاتے ہیں کہ قرآن کھولکر ایکدن بھی نہیں پڑھتے (یہ شخص ایسا ہی محروم القسمت ہی جیسے کوئی مکہ میں جاکر نہ بیت اللہ کو دیکھے نہ اسکا طواف کرے) مین کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تلاوت قرآن کی بھی کسی کو فرصت نہ ہو تو وہ روزانہ قرآن کو کھولکر عظمت ومحبت کے ساتھ ایک نظر ہی اُسکو دیکھ لیا کرے اور پھر عظمت ومحبت سے بند کر کے رکھدیا کرے تو امید ہی کہ انشاء اللہ یہ شخص بھی برکات قرآن سے

محروم رہیگا لان النظر الی القرآن ایضاً عبادۃ ۱۲ جامع) جب قرآن ہی کیساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہی
اور اسی کی عظمت ہمارے دلون مین ویسی نہیں جیسی ہونی چاہیئے تو پھر اہل قرآن کی عظمت کہانسی
ہو۔ انکو ہم اپنے سے افضل تو کیا سمجھتے بلکہ حقیر سمجھتے ہیں بھلا اگر کوئی درویش بزرگ تمہارے
پلنگ پر پائینتی کیطرف آکر بیٹھ جائے تو کیا تم سے یہ ہو سکتا ہی کہ تم سرہانے چڑھے بیٹھے رہو
ہرگز نہیں اول تو تم انکو دور سے ہی دیکھکر کھڑے ہو جاؤ گے اور انکے سرہانے تو ہرگز نہ بیٹھوگے
کیونکہ تم انکو اپنے سے افضل سمجھتے ہو پس اگر اس حدیث کے مطابق تمہارا یہ اعتقاد ہو کہ حافظ قرآن
بھی ہم سے افضل ہے تو اسکی کیا وجہ ہی کہ انکا ادب ایسا نہیں کیا جاتا اور اگر ادب نکیا تھا تو انکو حقیر
بھی نہ سمجھا ہوتا اب تو غضب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے حفظ میں دو تین سال صرف کرے لوگ
اسکو وقت کا ضائع کرنا اور بیکار رہنا سمجھتے ہیں افسوس ہماری عقلوں پر کیسا پردہ پڑ گیا ہی۔ مگر
الحمد للہ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر میں تو ایسا نہیں ہے کہ حفظ قرآن کو فضول سمجھتے ہوں یہاں
بہ نسبت اور شہروں کے پھر قرآن کا بہت چرچا ہے اور حفاظ کی قدر بھی ہی گو جیسی قدر ہونی چاہیئے
ویسی یہاں بھی نہیں مگر پھر بھی غنیمت ہے۔ صاحبو اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
قرآن میں مشغول رہنے والے سب سے افضل ہیں اور ظاہر ہی کہ عامل کی فضیلت فرع ہی فضیلت عمل
کی اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہین پس قرآن کی تعظیم ضروری
ہے جسکے مختلف شعبے ہیں منجملہ تعظیم قرآن کے شعبوں کے ایک شعبہ یہ ہی کہ اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جائے
یہ اصل تعظیم ہی کتاب کی تعظیم صرف یہی کافی نہیں کہ اسکی عمدہ جلد بنواکر الماری میں رکھدیا جائے
بلکہ اسکی اصل تعظیم یہ ہی کہ اسکی تعلیم و قرأت کا اہتمام کیا جائے جس کتاب کا جتنا چرچا ہوگا اتنی ہی
اسکی عظمت ظاہر ہوگی اور اہتمام اشاعت کی صورت یہ ہی کہ اپنے اپنے بچوں کو قرآن حفظ کراؤ یا کم از کم
ناظرہ ہی پڑھاؤ اور جو مدارس اسکی اشاعت کیلئے قائم ہیں انکی امداد کرو۔ لوگوں کو ایسے مدارس کے
مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سب کو سبکدوش کر رکھا ہی
نیز اشاعت قرآن کا ایک جزو یہ بھی ہی کہ جو طلبہ پردیسی تعلیم و تعلم قرآن مین مشغول ہیں اُنکے
کھانے کپڑے کا اپنی اولاد کے برابر فکر کرو جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک طالبعلم کا کھانا
بھیجدیا کریں طلبہ سے یہ مت کہو کہ وہ تمہارے گھر پر آکر کھانا لیا کریں اسمیں انکی تحقیر ہے بلکہ

تم خود اپنے ملازم یا اپنے لڑکے کے ہاتھ اُنکے لئے کہانا بھجواؤ۔ جب گرمی جاڑے میں اولاد
کے واسطے کپڑے بناؤ ایک دو جوڑہ طلبہ کیواسطے بھی بنا دو۔ پہلے زمانہ مین اشاعت قرآن کی زیادہ
وجہ یہ تھی کہ سلاطین اور عامہ مسلمین انکی خدمتیں کافی کرتے تھے جس سے اُن میں حرص وطمع کا
مادہ پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ بیٹھے بٹھلائے بے مانگے انکو سب کچھ ملجاتا تھا اور عزت کے ساتھ ملتا
تھا حقیر کرکے کوئی نہ دیتا تھا اسی لئے پہلے لوگ بلا اجرت پڑہتے پڑھاتے اور تراویح مفت سُناتے
تھے ایک مرتبہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ طالبعلموں کی حالت زیادہ خستہ ہے انکو کوئی نہیں
پوچھتا تو انکو اس سے صدمہ ہوا اب دیکھئے اُنہوں نے اسکا کیا اچھا علاج کیا کہ دربار میں وزیر اعظم
جسوقت آیا تو آپ نے اُس سے سوال کیا کہ تم نماز پڑہتے ہو عرض کیا جی ہاں پڑہتا ہوں۔ پوچھا
بتلاؤ نماز میں کتنے واجبات اور کتنی سنتیں اور کتنے مستحبات ہیں وزیر سوچنے لگا کیونکہ مسائل کسکو
یاد تھے عالمگیر بہت خفا ہوئے کہ تم خاک نماز پڑہتے ہوگے جب تم کو مسائل بھی یاد نہیں تم لوگوں سے
اتنا نہیں ہوتا کہ ایک طالب علم سے نماز روزہ کے مسائل بھی پڑھ لیا کرو رات دن دنیا کمانے ہی کی
فکر رہتی ہے دین کا کچھ بھی خیال نہیں تم کیسے مسلمان ہو تم کو شرم نہیں آتی۔ بس بادشاہ کی تو
ایک بات ہوئی اور سارے دربار کے کان ہوگئے وہاں سے اٹھکر جو یہ لوگ اپنے گھر پہنچے تو سب نے
پہلے مدرسہ میں آدمی بھیجا کہ فلاں نواب صاحب کو ایک طالبعلم کیضرورت ہے جو انکو دو گھنٹہ دینیات
کی تعلیم دیدیا کرے وزیر سے لیکر ادنیٰ درباری تک سبکو مسائل کی فکر ہوگئی اور معقول تنخواہوں
پر ایک ایک طالب علم ہر شخص کے یہاں مقرر ہوگیا اب کیا تھا جدہر دیکھو طلبہ کی پوچھ ہورہی ہے
تو اس زمانہ میں اہل علم کو سوال کی نوبت نہ آتی تھی لوگ خود ہی انکی خدمت کرتے تھے جس سے
انمیں حرص کا مادہ پیدا نہ ہوتا تھا اور آجکل ان لوگوں کی خدمت خود کوئی نہیں کرتا اور ضرورت احتیاط
بُری بلا ہے کم و بیش ضرورتیں سب کے ساتھ لگی ہوئی ہیں طلبہ کو بھی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور
علم کے ساتھ وہ دُنیا کمانے میں مشغول ہو نہیں سکتے اسلئے خواہ مخواہ انکی نظر مخلوق کے اموال پر جاتی
ہے اور انمیں سوال کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور یہی راز ہے اہل علم کی تحقیر کا۔ صاحبو! درویشوں کی
جو زیادہ وقعت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں
اگر اہل علم بھی ایسے ہی مستغنی ہوجائیں تو پھر قوم میں اُنکی یہ تحقیر نہ ہو ہمیں تھوڑا سا قصور ہمارا بھی

ہے کہ اہل اللہ کی طرح ہم بھی دنیا سے کیوں نہ مستغنی ہو گئے صاحبو قرآن سے بڑھکر اور کیا دولت ہوگی پھر حیرت ہے کہ جسکے پاس قرآن ہو وہ بھی مخلوق سے مستغنی نہ ہو۔ مین تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو خدا پر توکل کرو انشاء اللہ یہ سب جھک مار کر تم کو خود لا لا کر دینگے مگر جہاں اسمیں اہل علم کا قصور ہے قوم کا بھی قصور ہے۔ مسلمانونکو چاہئیے تھا کہ ان لوگونکی خدمت از خود کرتے اور اس مادہ کو انکے اندر پیدا ہونے ہی نہ دیتے۔ اسکی نوبت ہی کیوں آنے دیتے ہیں کہ انکو سوال کا موقع ہو پہلے زمانہ میں لوگونکو اسکا بہت خیال تھا کہ تربیت جسمانی کے ساتھ وہ اپنی اولاد کی روحانی تربیت بھی کرتے تھے ایک بزرگ نے اپنے بچہ کو شروع ہی سے توکل کی عملی تعلیم اسطرح دی تھی کہ اسکی ماں سے کہدیا کہ اسکو روٹی کپڑا تم خود مت دیا کرو جب یہ کھانا مانگے اس سے کہدو کہ بھائی خدا سے مانگو ہم بھی اسی سے مانگتے ہیں اور ایک الماری مقرر کر دی تھی جسمیں کھانا پہلے سے رکھدیا جاتا تھا اور لڑکے سے کہدیا کہ وہاں جاکر خدا سے دعا کرو پھر الماری کھولو جو کچھ تیری قسمت مین ہوگا اسمیں سے ملجائیگا بچہ وہاں جاتا اور دعا کرتا اور روزانہ وہاں سے کھانا لیلیتا۔ ایک دن اسکی ماں کھانا رکھنا بھول گئی۔ بچہ اپنے معمول کے موافق الماری پر گیا اور خدا سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے کھانا دیدے پھر الماری کو کھولا تو وہاں کھانا موجود تھا اسکی ماں نے یہ واقعہ اُن بزرگ سے بیان کیا انھوں نے سجدۂ شکر کیا اور بیوی سے کہا کہ بس اب تم وہان کھانا مت رکھا کرو اب غیب سے امداد شروع ہو گئی۔ اور یہ بچہ کھانے پینے کی فکر سے چھوٹ گیا۔ دنیا میں بڑی فکر اسی کی ہوتی ہے اگر اسی طرح ہم بھی طلبہ کی روحانی تربیت کریں اور از خود انکی خدمت کرتے رہا کریں تو انمیں استغناء کی شان پیدا ہو جائیگی پھر انکا وہ مذاق ہو جائیگا جو ایک شاہزادے کا مذاق تھا جسکا قصہ میرے ایک ماموں صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک فارس کا شہزادہ زمانہ کی گردش سے غربت میں گرفتار ہو کر ہندوستان آگیا تھا۔ ایک ہندوستانی رئیس سے اتفاقاً لکھنؤ کی سرائے میں ملاقات ہوگئی شہزادہ نے اس رئیس کی دعوت کی اوس نے شہزادہ سے درخواست کی کہ اگر آپ میری ریاست میں آویں تو میں آپکی کچھ خدمت کروں۔ کسی موقعہ پر پھرتے پھراتے اوس درخواست کو یاد کرکے نہایت خستہ حالت میں اوسکے پاس جا پہونچا۔ اوس رئیس نے اس شہزادے کو اس خستہ

حالت میں دیکھکر تاسفاً یہ شعر پڑھا ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

شاہزادے کو سخت ناگوار ہوا اور فوراً ہی برجستہ جواب دیا ؎

شیر نرکے می شود روبہ مزاج
می زند برکفش خود صد احتیاج

یہ کہکر اسی وقت واپس ہو گیا ایک منٹ بھی نہ ٹھیرا رئیس نے بڑی ہی خوشامد کی کہ میں نے تو تاسفاً کہا تہا تحقیراً نہ کہا تہا اس نے ایک نہیں سُنی اور کہا کہ تم ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارے پاس ٹھیرے۔ میں ہرگز نہ ٹھیرونگا یہ کہکر چلتا ہوا۔ جب آدمی میں استغنار کی شان پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ کسی بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی سوال کرنا گوارا نہیں کرتا۔ عبدالرحمن خانصاحب مرحوم مالک مطبع نظامی حکایت کرتے تھے کہ ایک حافظ صاحب لکھنؤ کے جو کہ قاری بھی تھے حج کرنے گئے تھے واپسی میں جب وہ جہاز سے اُتر کر وطن کو چلے۔ تو راستہ مین لٹ گئے ایک پیسہ بھی پاس نرہا مگر اللہ کے بندے نے کسی سے بھی سوال نہ کیا پیدل ہی چل پڑے راستہ میں کسی بستی میں راحت لینے کے خیال سے ٹھیرے اُسوقت انپر کئی وقت کا فاقہ تھا ایک مسجد میں ٹھیر گئے اور کسی سے اپنی حاجت کا ذکر نہیں کیا قرآن بہت عمدہ پڑہتے تھے لوگوں نے قرآن سُنا معتقد ہو گئے اس بستی مین کوئی رئیس تھے لوگوں نے اون تک بھی خبر پہونچائی کہ ایک قاری صاحب یہاں آئے ہوئے ہین بہت عمدہ قرآن پڑہتے ہیں۔ مگر بیچارے خستہ حال ہیں۔ راستہ میں کہیں لٹ گئے ہین پہلے زمانہ میں رؤسار کو علم کی قدر تھی۔ اور اہل علم کی خدمت بھی بہت کیا کرتے تھے وہ رئیس قاری صاحب کے پاس مسجد میں مع سامان خدمت نقد و پارچہ وغیرہ حاضر ہوئے اور قرآن سننے کی درخواست کی اولاً انھوں نے عذر فرمایا کہ میں جب نماز میں پڑہونگا سُن لیجئے اونھوں نے زیادہ اصرار کیا تو انھون نے کچھ پڑھ دیا۔ قرآن سُنکر عجب حالت ہو گئی اور اوسوقت ایک خوان میں وہی جوڑے اور اشرفیان جو کہ لائے تھے رکھکر پیش کیں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ اسوقت جتنی چیزیں آپ نے پیش کی ہیں مجھے ان سب کی ضرورت ہے مگر چونکہ آپ نے قرآن سُنکر یہ ہدیہ پیش کیا ہے اسلئے مین اسکو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ تو قرآن کا بیچنا ہوا۔ اور حق تعالےٰ فرماتے ہیں لا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا ہ اتوا گر

سلطنت بھی دوگے تو نہ لونگا اگر تم قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں قبول کر لیتا۔ باقی اسوقت
لینا تو سراسر قرآن کو بیچنا ہے۔ بعض رئیسوں کو خدمت کرنیکا شوق تو ہوتا ہے مگر خدمت کا طریقہ
نہیں آتا پس اہل اللہ کو دین کی غیرت ایسی ہی ہونی چاہیئے جیسی ان قاری صاحب کو غیرت
تھی اور دین کی غیرت کا پورا خیال رکھنا چاہیئے مگر یہ کب ہوگا یہ جبھی ہوسکتا ہے جبکہ دونوں طرف
سے خیال ہو۔ علماء استغناء سے رہیں اور عام لوگ انکی خدمت خود کرتے رہیں ورنہ یہ حاجت
ایسی چیز ہے کہ کبھی نہ کبھی اُبلکر رہتی ہے جسمیں آدمی بعض اوقات بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اسپر
ایک حکایت یاد آئی۔ ایک رئیس نے ایک باورچی ملازم رکھا تھا جسکی خشک تنخواہ مقرر کی باورچی
خشک تنخواہ پر بہت کم رہتے ہیں مگر اس نے یہ خیال کرکے منظور کرلی کہ آخر تھوڑا بہت کھانا
تو بچے ہی گا میں اسی میں گذر کرلونگا۔ اب اسنے کھانا پکایا تو اول تو اسکو سامان ہی اتنا ملا جو
بالکل نپا تلا تھا پھر وہ کھانا سامنے لایا تو یہ خیال کیا کہ ایک دو روٹی تو بچے ہی گی۔ ایسا بھی کیا ہو
کہ سارے کا صفایا کر دینگے رئیس نے کھانا شروع کیا اور باورچی نے روٹیاں گننی شروع کیں۔
اوس اللہ کے بندے نے سب ہی ختم کر دیں اس نے سوچا کہ سالن بچ گیا ہی میں اسی کو پیکر
سہارا کرلونگا۔ رئیس نے سالن کا برتن بھی صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس میں کچھ بوٹیاں اور ایک
ہڈی تھی باورچی نے خیال کیا کہ ایک دو بوٹی تو بچے گی وہ بھی ختم ہوئی تو سوچا کہ خیر ہڈی ہی چوس
لونگا مگر رئیس نے ہڈی بھی چوسنے کو اٹھائی۔

اب تو باورچی سے نہ رہا گیا بیساختہ بڑی زور سے منہ سے نکلا کہ ہائے ہڈی بھی چوس
لی رئیس چونک اٹھا کہ کیا بات ہوئی معلوم ہوا کہ یہ حضرت بڑی دیر سے ایک مراقبہ میں ہیں۔ تو
دیکھیئے اوس باورچی سے صبر کرتے کرتے آخر نہ رہا گیا۔ احتیاج اُبل ہی پڑی یہی حال ہر
ضرورتمند کا ہے جب آدمی صبر کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو احتیاج زبان پر آہی جاتی ہے۔
البتہ کوئی بڑا ولی کامل ہو جسکو توکل کی پوری قوت نصیب ہو وہ ہرگز اپنی احتیاج کسی پر ظاہر
نہیں کرسکتا مگر سب کا فرشتہ ہونا بھی تو مشکل ہے۔ جب سارے طلبہ و علماء فرشتے نہیں نکلتے
تو علماء کی شان استغنا جبھی باقی رہ سکتی ہے جبکہ آپ بھی تو انکا خیال رکھیں اور آپکے ذمہ اُنکی
خدمت ضروری بھی ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں دین کی حفاظت سب

مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا کام ہے جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے اور اگر کسی نے بھی اسکو انجام نہ دیا تو سب گنہگار ہونگے پس یہ تو ثابت ہو گیا۔ کہ جو لوگ علم دین مین مشغول ہیں وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اسکو علم دین کامل طور پر نہ حاصل ہوگا۔ ایک آدمی ایک زمانہ میں دو ایسے کام نہیں کر سکتا جنکے لئے پورے انہماک کی ضرورت ہے اس مقدمہ کے ساتھ اب دوسرا مقدمہ یہ ملائیے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کے کام مین محبوس ہو اسکا نفقہ اسی کے ذمہ ہے جسکے کام میں وہ محبوس ہے۔ چنانچہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ بوجہ حبس ہی کے ہے۔ قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسلیئے ہے کہ وہ ان کے کام میں محبوس ہے۔ بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے اسی قاعدے سے اہل علم کا نفقہ تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو خود ان کی خدمت کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اہل قرآن کی خدمت نہ کرینگے تو اس سے یہ سمجھا جائیگا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلم قرآن کی کچھ وقعت بھی نہیں حالانکہ اوس حدیث میں اسکی فضیلت صاف موجود ہے کہ قرآن کی تعلیم و تعلم میں جو لوگ مشغول ہیں وہ سب سے افضل ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث پر ہمارا تو اعتقاد ہے تو خوب سمجھ لو جب اسپر عمل نہیں اور جس اعتقاد کے موافق عمل نہ ہو وہ اعتقاد ناتمام ہے تو وہ اعتقاد بھی ناتمام ہوگا اور یہ جو بہت لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ علوم اعتقادیہ سے صرف علم مقصود ہے کہ بس اس بات کا عقیدہ دل میں رکھو عمل چاہے کیسا ہی ہو یہ بالکل غلط ہے عقائد سے مقصود علم تو ہے ہی مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے کہ عقیدہ کے ذریعہ سے عمل میں خلوص و کمال پیدا ہو اور یہ بہت موٹی بات ہے غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ یہ آدمی جو سامنے آ رہا ہے۔ بادشاہ وقت ہے تو اسکا مطلب کیا ہوتا ہے کیا اسکا صرف یہی مطلب ہوتا ہے کہ بس اسکو دل میں بادشاہ سمجھ لو یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عملاً اسکی تعظیم و تکریم بھی بجالانا

چاہیئے۔ چنانچہ اگر وہ شخص بادشاہ کے قریب پہنچکر اُسے سلام بھی نکرے نہ ادب وتعظیم ظاہر کرے تو دوسرا شخص جہلا کر کہتا ہے کہ تو بڑا احمق ہے تجھکو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بادشاہ ہے اور پھر تو نے اُس کی تعظیم نہ کی۔ معلوم ہوا کہ علوم اعتقادیہ سے عمل بھی مقصود ہوتا ہے اگر عمل اعتقاد کے موافق نہو تو عرفاً یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص کو یہ بات گویا معلوم ہی نہیں۔

اسی طرح شریعت میں بھی عقائد کا صرف جان لینا مقصود نہیں بلکہ اُن کے ذریعہ سے عمل کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ اعتقاد کو تکمیل عمل میں بہت دخل ہے پس اگر کسی بات کا اعتقاد ہو اور عمل اس کے موافق نہ ہو تو یقیناً اعتقاد ہی ناتمام ہے اور حکم ہے تکمیل دین کا اس لئے یہ ضرور ہے کہ اعتقاد کی موافقت عمل سے بھی ہو۔ اور اس مسئلہ کی دلیل میرے پاس قرآن سے ہے حق تعالےٰ فرماتے ہیں ما اصاب من مصیبۃٍ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور ترجمہ یہ ہے کہ کوئی مصیبت نہ دُنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہیں اُن جانوں کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اسمیں مسئلہ تقدیر کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو کچھ مصائب داخلی وخارجی آتی ہیں وہ سب پہلے سے مقدر ہیں اور لوح محفوظ میں تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھدی گئی ہیں آگے فرماتے ہیں ان ذلک علی اللہ یسیر اور یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے اسمیں اپنے علم محیط کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کام اسلئے دشوار نہیں کہ ہمارا علم محیط ہے ہم کو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم تھا آگے فرماتے ہیں لکیلا تأسوا الخ اسمیں لام کے ہے جو علت پر داخل ہوتا ہے تو یہ علت کس چیز کی ہے اور لام کا متعلق یہاں کیا ہے سو بات یہ ہے کہ اسکا متعلق محذوف ہے تقدیر یہ ہے کتبنا ذلک واخبرنا کم بہ لکیلا تأسوا الخ کہ ہم نے تم کو اسکی خبر اسلئے کردی ہے تاکہ اگر کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو تم اسپر رنج نہ کرو (یعنی اتنا رنج نہ کرو جو آخرت کے کاموں سے تم کو روکدے طبعی رنج کا مضائقہ نہیں) اور جو چیز تم کو عطا ہوئی ہے اسپر اتراؤ نہیں کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جو کچھ راحت ورنج پہنچتا ہے پہلے سے سب مقدر ہے تو اب نہ زیادہ رنج ہو گا اور نہ تکبر ونازکی

صفت پیدا ہوگی قاعدہ ہے کہ مصیبت کا علم جب پہلے سے ہو جاتا ہے تو وہ ہلکی ہو جاتی ہے
پس اجمالاً ہر مصیبت کے متعلق ہم کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ جو کچھ ہوگا تقدیر سے ہوگا اس سے
بہت تسلی ہو جاتی ہے اگر تقدیر کا اعتقاد نہ ہو تو بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے یہ تدبیر کیوں کی
وہ تدبیر کیوں نہ کی اور جب تقدیر کا اعتقاد ہوتا ہے تو دل میں یہ مضمون پیدا ہو جاتا ہے کہ چاہے
کچھ ہی تدبیر کرتے یہ واقعہ تو ہونا ہی تھا مقدر یون ہی تھا اسیطرح اتراتا وہ ہے جس نے
راحت وخوشی کا سامان اپنے آپ پیدا کیا ہو اور جب یہ عقیدہ ہوگا کہ جو کچھ ملتا ہے مقدر
سے ملتا ہے تو نہ خود اترا ویگا اور نہ دوسرونکو حقیر سمجھے گا جان لیگا کہ میرے پاس جتنی نعمتیں
ہیں ان میں کچھ میرا کمال نہیں تقدیر ہی سے ملا ہے جو کچھ ملا اور جس کے پاس نہیں ہے
اوس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا پس نہ مین صاحب کمال ہون نہ وہ ناقص ہے پھر ناز وتکبر
کاہے کا یہ تو آیت کا مطلب ہوا۔ مجھکو بتلانا یہ ہے کہ اس آیت مین حق تعالےٰ نے مسئلہ
تقدیر بیان فرماکر اسکے ذکر کی علت یہ تبلائی ہے لکیلا تاسوا ولا تفرحوا الخ اس سے
صاف معلوم ہوا کہ عقائد سے مقصود صرف اعتقاد ہی نہیں۔ بلکہ اونکے ذریعہ سے عمل کی
تکمیل بھی مقصود ہے اس میں لوگ بہت دہوکہ کھائے ہوئے ہین اکثر لوگ عقائد کو
عمل کے لئے مقصود نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ عقائد صرف جاننے ہی کے لئے ہیں۔
اس آیت سے اونکی غلطی معلوم ہوگئی پس اگر ہم اہل قرآن کی خدمت نہ کرینگے تو اسکا مطلب
یہ ہوگا کہ ہم کو اس حدیث پر ناتمام اعتقاد ہے اور ابتک ہمارے عقیدے بھی درست
نہیں ورنہ اسکی کیا وجہ کہ عقیدہ کے موافق ہمارے اعمال نہیں ہیں اس حدیث سے ایک
تو یہ مسئلہ مستنبط ہوا تھا کہ اہل قرآن کو سب سے افضل سمجھنا چاہیئے ایک دوسرا جز یہ بھی مستنبط
ہوا کہ تعلیم وتعلم قرآن تمام اعمال سے افضل ہے کیونکہ عامل کا افضل ہونا بوجہ عمل کی فضیلت
کے ہے۔ چنانچہ ایک جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون
بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی ہدایت کیلئے
ظاہر کی گئی تم نیک کاموں کا حکم کرتے بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے
ہو اس میں حق تعالےٰ نے خیر امت ہونے کی علت تامرون بالمعروف الخ بیان فرمائی ہے

جو کہ بہت سے اعمال خیر کو مشتمل ہے معلوم ہوا کہ افضلیت ذات کا مدار اعمال کی فضیلت پر
ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اسکے ساتھ ایک اور مقدمہ بھی سنئے حق تعالےٰ فرماتے ہیں ولتکن منکم
امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ اور (اے مسلمانو!) تمہارے
اندر ایک جماعت ایسی بھی ضرور ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف (لوگونکو) ترغیب دیں اور نیک کاموں
کا حکم کریں الخ اس میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور امر
وجوب کے لئے ہوتا ہے پس ایسی ایک جماعت کا ہونا واجب ہے جو اعمال خیر کی ترغیب
دیں اور تعلیم و تعلم قرآن کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہو چکا تو اسکی ترغیب دینا بھی ضروری ٹھہرا
اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں ایک تو انکی اعانت کرنا انکی خدمت کرنا انکی عزت و عظمت کرنا
اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی
دستاربندی کیجائے اس سے بھی فارغین کو مسرت ہونے کے سبب تعلم قرآن کیطرف
اور اونکے سرپرستوں کو تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلم کا سبب بنجانا
یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے پس یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے کیونکہ اعمال خیر کی طرف
رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسباب رغبت مین سے ہے پس صراحۃً
تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ غرض اس دستاربندی سے خود لڑکوں کو بھی
رغبت ہوتی ہے کہ اگر اچھی طرح یاد کریں گے۔ تو ہماری دستاربندی ہوگی۔ نیز والدین
کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے نیز اگر لڑکون میں صلاحیت ہوئی تو ان کو خیال ہوگا کہ اب ہم
بڑے بنادیئے گئے۔ اب ہم کو تقوی طہارت اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ تو قرآن سے دستاربندی
کا ثبوت اور اسکی فضیلت معلوم ہوئی اب احادیث سے بھی اُسکا ثبوت بیان کرتا ہوں۔
ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ظہر قلب سے قرآن پڑھے (اس سے حافظ کے عمل کی تائید
ہوتی ہے کیونکہ وہ اکثر تلاوت قرآن بدون دیکھے ہوئے کیا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ عمل عنداللہ
مقبول ہے) تو اوسکے والدین کو قیامت میں ایسا تاج پہنایا جائیگا جسکی روشنی کے سامنے
چاند و سورج بھی ماند پڑجائیںگے یہ حدیث صحاح میں موجود ہے اور گو اس میں حافظ کے لئے
کسی بات کی تصریح نہیں بلکہ اوسکے والدین کا اجر مذکور ہے مگر جب حافظ کی بدولت والدین

کا یہ حال ہوگا تو خود اسکے لئے یہ فضیلت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی چنانچہ اوسی حدیث مین یہ بھی ہی
اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ تاج کو کچھ خصوصیت ہے اور عمامہ بھی تاج ہے اسلئے
اشارۃً اس عمل کا مستحسن ہونا حدیث سے بھی ثابت ہوگیا اور طبرانی کی ایک روایت تو اس مضمون
مین بہت ہی صریح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حاکم بناتے تو اسکے سر پر اپنے
ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے اھ اور ظاہر ہے کہ حافظ و عالم بھی قوم کا مقتدا ہونیکی
وجہ سے حاکم کے مثل ہے تو سند فراغ کے ساتھ اُنکی دستار بندی بھی اس حدیث کیموافق
ہے مگر چونکہ مجھے اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں اسلئے مین نے اسکو سب کے بعد مین
بیان کیا اگر یہ حدیث صحیح ہو تب تو دلیل اس فعل کے مقبول ہونے کی بہت صریح ہے اور
اگر صحیح نہ ہو تو گذشتہ دلائل بھی مدعیٰ کے اثبات میں کافی ہیں غرض یہ عمل خلاف سنت نہیں
ہے یہ مختصر بیان اسوقت کافی ہے اب لڑکوں کو بلا کر دستار بندی کر دیجائے اور اس وعظ
کا نام میں التعمیم لتعلیم القرآن الکریم رکھتا ہوں اسمیں لام صلہ کا بھی ہوسکتا ہی معنے یہ ہونگے
کہ تعلیم قرآن کے عام کرنے کا بیان اور لام اجلیہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت مین معنے یہ ہونگے
کہ تعلیم قرآن کی وجہ سے دستار بندی کا بیان۔ اسکے بعد دستار بندی شروع ہوئی اور
حضرت حکیم الامت نے اپنے ہاتھ سے سب طلبہ کے سروں پر عمامے باندھے پھر دعا پر جلسہ
ختم ہوا۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ علے سیدنا محمد وعلی آلہ
وصحبہ اجمعین ؛

تمت بالخیر

الہادی

دینیات کا ماہواری رسالہ جسمین شریعت و طریقت کے متعلق جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی کے علوم عقلیہ و نقلیہ کا بیش بہا ذخیرہ جو ہر طبقہ کو نہایت مفید ہی جمادی الاول ۱۳۳۴ھ سے جاری ہوا ہی جسمین بالفعل حسب ذیل مضامین ہوتے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ مفید مضامین ہوا کرینگے

التادیب و التہذیب ترجمہ ترغیب و ترہیب جسمین احادیث سے اعمال کی فضیلت اور گناہوں کی مذمت مفصل بیان کیگئی ہی جسکو پڑھکر ہر انسان کا دل طاعت کیجانب مائل ہوجاتا ہی اور گناہونکو چھوڑنیکی توفیق ہوتی ہی۔

تسہیل المواعظ۔ یہ حضرت مولانا مدظلہم کے مواعظ کی تسہیل ہی بعض حضرات نیز عورتیں حضرت مولانا مدظلہم کے وعظ بوجہ عالمانہ مضامین ہونیکے سمجھ نہین سکتے تھے اسواسطے اونکی اسقدر تسہیل کردی ہی کہ اب ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے

المصالح العقلیہ جلد دوم اسکی کیفیت جلد اول کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہی ہی کیونکہ جلد اول کتابی صورتمیں طبع ہوئی ہے اسمیں احکام شرعیہ کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اسکا مطالعہ تمام مسلمانونکو عموماً اور نو تعلیمیافتہ حضرات کو خصوصاً نہایت مفید ہے

کلید مثنوی شرح مثنوی مولانا رومؒ اسکے بھی تین دفتر کتابی صورتمیں طبع ہو چکے ہیں اور باقی دفتر رسالہ ہذا میں شائع ہو رہے ہیں اسکے متعلق تو کچھ عرض کرنے ہی کی حاجت نہین ہے جسقدر حصے اسکے چھپ چکے ہیں وہ اسکی شان ظاہر کرنیکیلئے کافی ہیں

التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف اسمین حضرت مولانا مدظلہم نے ان احادیث کی تحقیق فرمائی ہی جو کلام صوفیہ و کتب تصوف مین مذکور ہیں اور انکو علماء ظاہر بوجہ لاعلمی موضوع کہدیتے ہیں یہ مضمون نہایت شاندار ہی احقر کی خوش قسمتی ہی کہ الہادی کیواسطے حضرت والا نے اسکا ترجمہ بھی فرمادیا ہی تاکہ اردو خواں حضرات اس سے بھی فائدہ اٹھا سکیں

امیر الروایات فی حبیب الحکایات اسمیں اکابر سلسلہ یعنی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ مثلاً شاہ صاحبؒ و مولانا شہیدؒ و مولانا شاہ اسحٰق صاحبؒ و مولانا فخر صاحبؒ و مولانا محمد یعقوب صاحبؒ وغیرہم کی حکایات ہیں اور ان حکایات پر حضرت مولانا تھانوی مدظلہم نے حواشی مفیدہ تحریر فرمائے ہیں یہ مضمون بھی نہایت مفید ہے باوجود ان خوبیونکے قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے اور بصورت وی۔پی دو روپے بارہ آنہ کا پڑتا ہی۔

المشتہر

محمد عثمان مدیر رسالہ الہادی دہلی پوسٹ بکس نمبر ایک